© rasailojaraid.com

کتاب کے آخر میں ڈاکٹر احمد حسن نے تمام مباحث کا مختصر خلاصہ درج کیا ہے، جس میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"نئے دور نے اُمتِ اسلامیہ کے لیے ایک بڑی تعداد میں نئے مسائل پیدا کر دیے ہیں۔ قرآن اور سنت محکم اساس ہیں، جن سے ان مسائل کے جوابات تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں اسلام کے دورِ اول میں ایک فطری عملی طریقہ یہ تھا کہ نئے حالات کی روشنی میں قانون کی تعبیر و تشریح کی جاتی تھی۔ ہمیں اس میں رہنمائی مل سکتی ہے۔ اب اجتہاد کو بروئے کار لاتے ہوئے ہمیں قیاس کے دائرے کو وسیع کرنا چاہیے تاکہ اس طرح مسائل کو حل کرنے کے لیے ایک زیادہ عملی اور مؤثر راہ نکل سکے۔ اسلام کے دورِ اوّل میں قانون سازی کے ضمن میں "رائے" اور "اجماع" کا جو طریقہ کار مروج تھا، اُسے آج پھر زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ رائے کے استعمال سے جو فیصلے تجویز کیے جائیں گے ان کی غلطیوں کا سدِ باب صرف اسی طرح ہو سکتا ہے۔"

غرض مصنف نئے حالات و واقعات کے لیے اسلامی قوانین بناتے میں اسلام کے اُس دور سے رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہیں، جب اہلِ علم اور ان کے ساتھ اہلِ حکومت بھی پیش آنے والے مسائل کا حل "رائے" کی مدد سے قرآن و سنت سے تلاش کرتے تھے اور پھر یہ حل "اجماع" کی کسوٹی پر پرکھے جاتے تھے، اسی طرح قانون سازی کا عمل ارتقاپذیر ہوتا تھا اور زمانے کے ساتھ ساتھ نئے حالات و واقعات کے لیے قانون بنتے جاتے تھے۔

ہمارے خیال میں ہمارے ہاں فقہ میں اس نوعیت کی یہ پہلی کتاب ہے، جس میں اسلام کے دورِ زریں کو پیش کر کے اُس سے مستقبل کے لیے ہدایت حاصل کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

یہ کتاب ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد نے شائع کی ہے۔ ضخامت ۲۲۴۔ قیمت ۱۵/- روپے

ہم ادارہ اور مصنف دونوں کو اس کتاب کی اشاعت پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

خلافت و ملوکیّت ـــ تاریخی شرعی حیثیت

تالیف: مولانا حافظ صلاح الدین یوسف ملنے کا پتہ: جامع مسجد اہلِ حدیث دھرمپورہ لاہور

کچھ عرصہ ہوا، مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کی تصنیف کردہ ایک کتاب خلافت و ملوکیت کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ اس کے جواب میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ زیرِ نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرڈی ہے۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس کے ۴۸۰ صفحات ہیں۔ فاضل مصنف نے اس پر کافی محنت کی ہے اور اپنی بحث کو صرف مولانا کی نقل کردہ روایات اور ان سے اخذ کردہ نتائج کی تنقید تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس ضمن میں بہت سے بنیادی اور اصولی نکات بھی بیان کیے ہیں جن سے صحابۂ کرامؓ کے ان باہمی مناقشات و مشاجرات سے حتی الوسع احتراز کرنے والے حضرات بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔

مولانا مودودی کا مرکزی فکر یہ ہے کہ سب کچھ سیاست ہوتی ہے۔ جب اس میں بگاڑ آجاتا ہے تو قوم کی ساری زندگی بگڑ جاتی ہے۔ مولانا ممدوح کی تمام تحریری کاوشیں اسی محور کے گرد گھومتی ہیں اور ان کی کتاب "خلافت و ملوکیت" کا بنیادی نقطہ بھی یہی ہے۔ مولانا صلاح الدین یوسف اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ نقطہ نظر بھی بنیادی طور پر غلط ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اولاً بگاڑ معاشرتی حالات، معاملات، اخلاقیات اور افرادِ ملک کے رجحان طبع میں ہوتا ہے۔ سیاسیات' اخلاقیات ہی کا ایک شعبہ ہے۔ اس بنا پر ملک و معاشرہ کا جو عمومی مزاج ہوگا یہ نا ممکن ہے کہ حکومت کا مزاج اُس سے مختلف ہو۔ سیاسیات (نظام حکومت) کا خمیر ہمیشہ اہلِ ملک کے مزاج و کردار سے اُٹھتا ہے۔ اگر افرادِ ملک کا مزاج و کردار فاسقانہ ہوگا تو اس سے جو نظام حکومت جنم لے گا وہ غیر صالح ہوگا۔ صالح کبھی نہیں ہو سکتا ۔۔ گویا نظامِ حکومت کے مزاج کو بنانے میں ملک و معاشرہ کا مزاج اصل کردار ادا کرتا ہے ۔۔۔" واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک بڑی معاشرتی حقیقت ہے اور کس قدر خوشی کی بات ہے کہ یہ ایک عالمِ دین نے اتنے واضح الفاظ میں اپنی کتاب کے شروع ہی میں بیان کی ہے۔

فاضل مصنف نے بنیادی نکات میں اس امر کو بھی تسلیم کیا ہے کہ جب معاشرے کے حالات بدل جاتے ہیں تو اس کے نتیجے میں نظامِ حکومت کا بدلنا بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس تبدیلی کو مطعون کرنا صحیح نہیں خود مصنف کے الفاظ میں ۔۔۔ "حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے دور میں جو حالات تھے، وہ بتدریج تغیر پذیر تھے۔ حضرت عثمانؓ و علیؓ کے دور میں وہ حالات کافی حد تک بدل چکے تھے۔ ان کے دور میں حالات کا دھارا جس طرح رخ اختیار کر گیا تھا، جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ ان نازک حالات میں نظمِ حکومت کا وہ ڈھانچا عملاً قائم رکھنا جسے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ قائم کر گئے تھے، از بس مشکل بلکہ ناممکن ہو گیا تھا ۔۔۔"

اس سلسلے میں مولانا یوسف صاحب نے ایک اور بات بھی بڑے کام کی فرمائی ہے۔ اور ضرورت ہے کہ آج ہمارے اہلِ قلم اسے خاص طور سے ذہن نشین کر لیں۔ کچھ دنوں سے ہمارے بعض اہلِ علم اور بالخصوص مولانا مودودی نے جمہوریت اور وہ بھی ایک خاص طرز کی جمہوریت کو صحیح اسلامی نظام کا مرادف بنا لیا ہے۔ یہ دعویٰ کہاں تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صحیح ہے، اس سے قطع نظر جمہوریت کو اس طرح اسلام کا حاصل مقصود ماننے کا ایک حتمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ملوکیت کے نام سے اپنی ساری اسلامی تاریخ کو مردود قرار دینا لازمی ہو جاتا ہے۔ حالانکہ جیسا کہ حافظ صاحب نے اثبات فرمایا ہے کہ نظام حکومت کی تشکیل میں معاشرتی حالات کا بڑا دخل ہوتا ہے اور یہ کہ ایک زمانے میں ملوکیت آج کی طرح سر تا سر شر نہ تھی۔ ہمارے ہاں اچھے بادشاہ بھی گزرے ہیں اور بُرے بھی۔ فاضل مصنف نے اپنی اس بات کی تائید میں ابن خلدون اور دوسرے ائمہ کے حوالے دئے ہیں۔

مسلمانوں کی تاریخ میں خلافت و امامت کا مسئلہ بڑا نازک رہا ہے اور ابتدا ہی سے خاص کر حضرت عثمانؓ کے دور سے مسلمانوں میں جو خانہ جنگی شروع ہوئی جس میں کہ بڑے بڑے صحابہؓ کو بھی بدرجۂ مجبوری شریک ہونا پڑا اس کی وجہ سے کون حق پر تھا اور کس نے راہِ حق سے رُوگردانی کی —— اس بارے میں اتنی متضاد اور متناقض احادیث، روایات، بیانات، رائیں اور علماء فقہا کی تشریحات جمع ہو چکی ہیں کہ آخر میں اہل سنت نے جو جمہور مسلمان ہیں، راہِ صواب اسی میں سمجھی کہ تمام صحابۂ کرامؓ سے حسن ظن ہو اور ان کی فروگزاشتوں کو دینی حیثیت نہ دی جائے بلکہ انھیں اجتہادی فروگزاشتیں گردانا جائے۔ صدیوں سے اہل سنت کا یہ مسلمہ مسلک رہا ہے۔ چنانچہ نماز جمعہ میں ان کے خطبا اپنے خطبوں میں جہاں چاروں خلفائے راشدینؓ کا نام لیتے ہیں وہاں اہل بیت کے ائمہ کرام کا ذکر بھی اُسی احترام سے کیا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے دور کے یہ ناخوشگوار اختلافات، تاریخی سے زیادہ اعتقادی بن گئے ہیں اور ان پر لکھتے ہوئے معروضیت قائم رکھنا بڑا مشکل ہے۔ خاص کر جب کہ ان کے متعلق جتنی بھی معلومات ہم تک پہنچی ہیں، اُن کا انحصار اول تو روایات پر ہے، جو اصل واقعات کے کہیں دو سو سال بعد مدون کی گئیں۔ دوسرے ان روایات کے قابل اعتماد اور ناقابل اعتماد ہونے پر ہمیشہ سے نزاع رہا ہے۔ شیعی روایات تو اپنی جگہ رہیں، خود اہل سنت کی روایت کردہ معلومات ایک دوسرے کی مخالف ہیں۔ نیز یہ کہ بعض راوی ایک گروہ کے نزدیک ثقہ ہیں اور دوسرے کے نزدیک غیر ثقہ۔ اور اکثر ایک ہی کتاب میں باہم متضاد روایات ملتی ہیں۔

تعجب ہوتا ہے کہ تاریخ اسلام کے اس دور کے اس علمی پس منظر کو جانتے ہوئے اور پھر آج ہمارے ہاں جو فرقہ وارانہ فضا ہے اور ایک ہی فقہی مسلک اور مذہبی فرقے کے لوگ معمولی معمولی باتوں پر آپس میں جس طرح لاطائل بحثیں چھیڑ دیتے ہیں، ان کا علم رکھتے ہوئے مولانا مودودی جیسے زیرک اور دُور اندیش عالم دین نے اپنی کتاب "خلافت و ملوکیت" میں ایک ایسے نزاعی مبحث پر قلم اُٹھانا کیوں ضروری سمجھا۔ موصوف کی اس کتاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے مساجد، مدارس، اخبارات اور رسائل میں مسلمانوں کے دورِ اول کی خانہ جنگی اور اس کی ناخوشگوار یادوں کو پھر تازہ کر دیا۔ اگر یہ کتاب ایک مؤرخ معروضی نقطہ نظر سے لکھتا اور اس میں اعتقادی امور کی بجائے صرف تاریخیت ملحوظ رکھتا تو شاید اس پہ اتنا ہنگامہ نہ ہوتا لیکن یہ کتاب ایک مشہور عالم دین نے تصنیف کی، جو جماعت اسلامی کے امیر اور اسلامی نظام کو قائم کرنے کے داعی ہیں۔ اس بات نے اس کتاب کو اتنا مابہ النزاع بنا دیا کہ ہر منبر اور ہر حلقۂ درس اس کی صدائے بازگشت سے گونج اُٹھا۔

مولانا یوسف نے مولانا مودودی کی اس کتاب کی تصنیف کے جو محرکات بیان کیے ہیں اُن سے اتفاق نہ کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ مولانا مودودی کی اکثر تحریریں وقتی محرکات کے تحت سپردِ قلم ہوتی رہی ہیں جو وقت گزر جانے کے بعد بے محل ہو کر رہ جاتی ہیں، جیسے مثال کے طور پر مسئلہ ملکیت زمین اور اسی طرح اسلامی آئین و نظام کی باتیں۔ فاضل مصنف نے مولانا مودودی کی اس تصنیف کا ایک محرک یہ بتایا ہے:۔

"۔۔۔ اس دور کے اعتبار سے ایک خاص سیاسی ضرورت اس کا سبب بنی۔ آمریت کا دیوِ استبداد ایک عرصے سے پاکستان پر مسلط تھا اور محترم مولانا اس سے نبرد آزما تھے اور اس کے عتاب و احتساب کا خاص نشانہ تھے۔ نتیجتاً اس سیاسی ضرورت نے ایک سیاسی ذہن میں ایک خاص نقطہ نظر کی آبیاری کی، جس سے اس موضوع پر لکھنے کی تحریک ہوئی ۔۔۔"

ایک اور بات جس کی اس سلسلے میں مصنف نے نشاندہی کی ہے، یہ ہے کہ "مولانا مودودی کے فکر و نظر کا زاویہ ایک خاص پہلو (آمریت) پہ اس طرح مرکوز ہوا کہ دوسرے تمام پہلو ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے اور ایسا ہونا لازمی تھا ۔۔۔" کیوں؟ اس کا جواب فاضل مصنف کے الفاظ میں یہ ہے:۔

"۔۔۔ اور یہ حقیقت ہے کہ سیاسی آدمی کی توجہ اور باتوں کے مقابلے میں، میدانِ جنگ کی طرح گرد و پیش کے سیاسی نشیب و فراز اور اس میں اپنے طرزِ فکر و عمل کی کامیابی کی طرف زیادہ مبذول رہتی ہے ۔۔۔"

مولانا حافظ یوسف نے کتاب میں مولانا مودودی کی نقل کردہ روایات پہ ایک تو یہ اعتراض کیا ہے کہ انھوں نے جہاں بھی ضرورت سمجھی، اپنے ڈھب کی روایات لے لیں۔ بغیر یہ خیال کیے کہ ماخذ ثقہ ہیں یا غیر ثقہ۔ اور اس میں انھوں نے اُن پہلوؤں کو ترجیح دی جن سے غیر مستحسن تاثر نکلتا ہو۔ مصنف نے بڑی تفصیل سے ایسی روایات پہ بحث کی ہے۔ دوسرا اعتراض موصوف کا یہ ہے کہ روایات کو نقل کرنے میں مولانا مودودی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے پوری علمی دیانت سے کام نہیں لیا۔ اور بُری بات کے ساتھ جہاں اچھی بات مذکور ہے، وہ نقل نہیں کی۔ مصنف کی یہ شکایت تو عام ہے کہ "فردِ جُرم" لگاتے ہوئے مولانا نے زیادہ تر ضعیف و موضوع روایات پر اعتماد کیا ہے اور مسئلہ زیرِ بحث کی پوری تحقیق نہیں کی۔

نقلِ روایات کے علاوہ مولانا مودودی صاحب کے استدلال پر بھی فاضل مصنف کو اعتراض ہے کہ وہ ایک معمولی وجزئی واقعہ کو عمومی انداز سے پیش کرتے ہیں اور "۔۔۔ بگاڑ کو نمایاں کرنے کے لیئے ایک جزئی اور غیر اہم واقعہ کو بنیاد بنا کر ایسے بھیانک اور مکروہ نتائج نکال کر سامنے رکھ دیتے ہیں کہ معاویہؓ کے بیس سالہ عہدِ اقتدار میں سوائے تاریکی کے روشنی کی کوئی کرن نظر ہی نہیں آتی۔"

استدلال کی یہ نوعیت بھی شاید اس لیئے ہے کہ فکر و نظر کا زاویہ پیشِ نظر مسئلے کے صرف ایک پہلو پر مرکوز ہو کر رہ جاتا ہے اور مسئلے کی عمومی حیثیت سامنے نہیں رہتی اور یہ اس لیئے کہ تحریری کاوش کی محرک ایک وقتی ضرورت ہوتی ہے اور ضرورت بھی عارضی سیاسی۔

ظاہر ہے مولانا یوسف نے یہ کتاب اس نزاعی بحث کے متعلق اہلِ سنت کے موقف کی تائید میں لکھی ہے۔ اس سلسلے میں مولانا مودودی نے اپنی کتاب میں حضرت عثمانؓ اور حضرت معاویہؓ کی جو فردِ گناہ گنائی تھیں، ان کا جواب دیا ہے اور اپنی تائید میں "زیادہ محکم" روایات پیش کی ہیں۔ اس کے علاوہ مصنف نے اُموی خلفا کے بھی بعض محامد بیان کر دئے ہیں اور ان کے دور کو مولانا مودودی نے سر تا پا تاریک بنا کر جو پیش کیا تھا، اُس کی تاریکی میں سفید شعاعوں کی جھلک دکھائی ہے۔ بہر حال یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر صدیوں سے لکھا جا رہا ہے اور ہر فریق کے حق میں یا اس کے خلاف اتنا لٹریچر موجود ہے کہ ہر فریق روایات کے زور پر اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کر سکتا ہے۔

لیکن زیرِ نظر کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اول سے لے کر آخر تک مصنف نے کہیں علمی سنجیدگی و متانت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور توازن کو برابر قائم رکھا ہے۔ اس طرح کی مناظرانہ کتابوں میں اکثر اوقات لہجہ تیز ہو جاتا ہے لیکن یہ کتاب اس عیب سے پاک رہی ہے۔ مصنف کے نتائج سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن ان تک پہنچنے میں موصوف نے جتنی محنت و تحقیق کی ہے اور جس استدلال سے کام لیا ہے وہ ہر لحاظ سے قابلِ تعریف ہے۔ توقع ہے کہ مولانا صلاح الدین یوسف صاحب اپنی تصنیفی سرگرمیاں جاری رکھیں گے۔ یقیناً ان میں ایک بڑے مصنف کی صلاحیتیں موجود ہیں۔

کتاب کی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے۔ مجلد ہے۔

قیمت اعلیٰ ایڈیشن ۷/۵۰ روپیے سستا ایڈیشن ۵/۱۰ روپے

© rasailojaraid.com